مجید امجد ___ (1914-1974ء)

شاعر کا تعارف: عبدالمجید نام امجد تخلص ادبی دنیا میں مجید امجد کے نام سے شہرت حاصل کی۔ جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ صحافت کے پیشے سے وابستہ رہے۔ 1944ء میں انہیں محکمہ خوراک میں ملازمت مل گئی۔ عمر کا بڑا حصہ ساہیوال میں گزارا اور اسی شہر میں انتقال کیا۔ مجید امجد جدید اردو نظم کے اہم ترین شاعروں میں سے ایک ہیں۔ ان کے مضامین اور اسلوب بیان میں انفرادیت کی شان ہے۔ ان کا سوچنے اور مشاہدہ کرنے کا انداز عام انسانوں اور عام شعرا سے بالکل الگ ہے۔ وہ اردو میں فارسی اور ہندی الفاظ کی آمیزش سے اپنی شعری زبان تشکیل دیتے ہیں جو موسیقیت اور معنویت' دونوں کا شہ کار ہے۔ وہ روزمرہ زندگی اور مناظر فطرت سے اپنی شاعری کا مواد اور موضوع حاصل کرتے ہیں اور پھر عام سی بات کو خاص شاعرانہ انداز میں پیش کر کے قاری کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ انسان' اس کے مختلف روپ' اس کے جذبات اور اس کی محرومیوں کو مجید امجد نے بہت فنکارانہ مہارت کے ساتھ موضوع سخن بنایا ہے۔ گزرتے وقت نے ان کی شاعرانہ عظمت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اکیسویں صدی میں ان کے کلام کی بہتر انداز میں تفہیم اور تشریح ہو رہی ہے اور آج کا نقاد ماضی کے نقاد کی نسبت زیادہ سہولت کے ساتھ مجید امجد کی شاعری کو سمجھ اور سمجھا رہا ہے۔ مجید امجد کی نظموں کو کسی بھی بین الاقوامی زبان کی منتخب شاعری کے مقابلے میں بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

8۔ مجید امجد ___ ایک کوہستانی سفر کے دوران میں

مرکزی خیال

عاجزی وانکساری عظمت کردار کی علامت ہے' جو انسان کسی دوسرے انسان کے کام نہیں آ سکتا وہ بظاہر کتنا ہی معزز ہو در حقیقت وہ بے مصرف زندگی گزارتا ہے۔ انسانوں کے لیے زندگی آسان بنانے والی حقیر سے حقیر چیز بھی معاشرے کے نام نہاد معززین سے زیادہ قابل احترام ہے۔

مصرع 1 تا 5 : تنگ پگڈنڈی' سر کہسار بل کھاتی ہوئی

نیچے' دونوں سمت' گہرے غار منہ کھولے ہوئے

آگے' ڈھلوانوں کے پار' اک تیز موڑ اور اس جگہ

اک فرشتے کی طرح نورانی پر تولے ہوئے

جھک پڑا ہے آ کے رستے پر کوئی نخلِ بلند

مشکل الفاظ کے معانی: ○ سر کہسار: پہاڑ پر ○ نخلِ بلند: قدآور درخت ○ پر تولنا: پرندے کا اُڑنے پر

آمادہ ہوتا۔

نثر: پہاڑ پر بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی ہے جس کے نیچے دونوں طرف گہرے غار ہیں۔ آگے ڈھلوانوں کے پار ایک خطرناک موڑ ہے جس پر ایک قد آور درخت جھکا ہوا ہے۔ محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی فرشتہ اُڑان بھرنے والا ہے۔

تشریح: مجید امجد کا شمار جدید اُردو نظم کے مستند ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی نظموں میں منفرد مضامین جدید تر اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ ''ایک کوہستانی سفر کے دوران میں'' ان کے فن کی نمائندہ نظموں میں شامل ہے۔ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مجید امجد نے پہاڑی راستے کا ایک منظر ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ نظم کے ابتدائی مصرعے اس منظر کی جزئیات واضح کرتے ہیں۔ پہاڑ کی بلندی پر ایک تنگ پگڈنڈی بل کھاتی ہوئی گزر رہی ہے جس کے نیچے دونوں طرف گہرے غار ہیں۔ پگڈنڈی سے ان غاروں کو دیکھ کر خوف کا احساس ہوتا ہے۔ مجید امجد نے خوف کی تصویر کشی کے لیے انتہائی موثر الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ''نیچے دونوں سمت' گہرے غار منہ کھولے ہوئے'' مصرع کا ہر لفظ غاروں کی گہرائی اور ہولناکی کو واضح کر رہا ہے۔ غار منہ کھولے ہوئے ہیں گویا کسی شکار کے منتظر ہیں۔ کسی کو نگلنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ پگڈنڈی پر آگے ڈھلوانیں ہیں جن کے پار اچانک ایک موڑ نمودار ہوتا ہے۔ یہ موڑ انتہائی خطرناک ہے۔ پہاڑی علاقوں کا سفر کرنے والے لوگ جانتے ہیں کہ ایسے خطرناک موڑ سے گزرنا کتنی ہمت کا کام ہے۔ ایسے مقامات پر حادثوں میں جانی نقصان بھی ہوتا رہتا ہے۔ مجید امجد ہمیں جو موڑ دکھا رہے ہیں اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس پر ایک بلند و بالا درخت جھکا ہوا ہے' جسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ اُڑان بھرنے کو ہے۔ خطرناک موڑ پر جھکے درخت کو فرشتے سے تشبیہ دے کر مجید امجد نے درخت کی اہمیت واضح کی ہے' جس طرح رحمت کے فرشتے مشکل حالات میں انسانوں کی مدد کرتے ہیں اسی طرح یہ درخت بھی مسافروں کا مددگار ہے۔ مجید امجد نے صرف پانچ مصرعوں میں ایک پہاڑی راستے کی مکمل تصویر دکھائی ہے۔ لفظوں سے بنائی گئی یہ تصویر کسی مصور کی بنائی ہوئی تصویر سے کم روشن نہیں۔ قاری پہاڑی راستے کے منظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرتا ہے اور یہی شعری تصویر کاری کا کمال ہے۔ مجید امجد نے منظر نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

مصرع 7,6: تھام کر جس کو' گزر جاتے ہیں آسانی کے ساتھ
موڑ پر سے ڈگمگاتے رہروؤں کے قافلے

نثر: خطرناک موڑ پر ڈگمگاتے مسافروں کے قافلے درخت کی شاخیں تھام کر آسانی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

تشریح: خطرناک پہاڑی موڑ پر جھکا ہوا درخت وہاں سے گزرنے والے قافلوں کے لیے رحمت کے فرشتے سے کم نہیں۔ اس موڑ پر پہنچ کر مسافروں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ اپنی جان کو خطرے میں محسوس کرتے ہیں۔ انھیں کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں وہ اس مہربان درخت کی کسی شاخ کو تھام لیتے ہیں اور اس موڑ پر سے گزر جاتے ہیں۔ درخت کی بظاہر کمزور ٹہنی انسانی زندگیوں کی حفاظت کا عظیم کارنامہ انجام دے رہی ہے۔

''رہروؤں کے قافلے'' کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ ٹہنی کا سہارا لے کر گزرنے والوں کی تعداد دو چار نہیں بلکہ قافلوں کے قافلے موڑ پر سے گزرتے ہوئے ٹہنی کو تھام کر اپنی سلامتی یقینی بناتے ہیں۔ اس مقام پر یہ درخت جھکا ہوا نہ ہو تو کئی مسافروں کو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ اس درخت کی ٹہنیاں انسانی حیات کی محافظ ہیں۔

مصرع 11,10,9,8: ایک بوسیدہ ' خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ
سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں
آہ ان گردن فرازان جہاں کی زندگی
اک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنھیں حاصل نہیں

مشکل الفاظ کے معنی: ○ **خمیدہ:** جھکا ہوا ○ **دستگیری:** کسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے سہارا دینا ○ **گردن فراز:** اونچی گردن والا' مغرور ○ **منصب:** عہدہ' مرتبہ۔

نثر: ایک پرانا اور جھکا ہوا درخت سینکڑوں گرتے ہوؤں کو سہارا دے رہا ہے۔ دنیا کے ان صاحبانِ اقتدار اور باحیثیت لوگوں کی زندگیوں پر افسوس ہے جو ایک جھکی ٹہنی کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔

تشریح: مجید امجد نے کوہستانی پگڈنڈی کے خطرناک موڑ پر مسافروں کو سہارا دینے والے بوسیدہ اور خمیدہ پیڑ کی جھکی ہوئی ٹہنی کو معاشرے کے ان جھوٹے چوہدریوں' نام نہاد سرداروں اور وڈیروں سے زیادہ قابلِ احترام قرار دیا ہے جو زندگی بھر مال و دولت اور جائیداد کے جھوٹے غرور میں مبتلا رہتے ہیں اور رفاہِ عامہ کا کوئی ایک کام بھی نہیں کرتے۔ مجید امجد کہتے ہیں کہ ایک کمزور اور جھکے ہوئے درخت کی ٹہنی سینکڑوں انسانوں کی دستگیری کر رہی ہے۔ انھیں گرنے سے بچا رہی ہے۔ سہارا دے رہی ہے۔ سوال یہ نہیں کہ اس کی اپنی حیثیت کیا ہے۔ وہ خود کمزور ہے مگر دوسروں کی طاقت بنی ہوئی ہے۔ وہ دوسروں کو فیض پہنچا رہی ہے۔ یہ ٹہنی معاشرے کے ہر انسان کو سبق دے رہی ہے کہ کبھی یہ سوچ نہیں رکھنی چاہیے کہ میں تو معمولی سا آدمی ہوں۔ میری ذات سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میری کوشش اور کاوش کسی کو کیا فیض پہنچا سکتی ہے۔ بعض اوقات کوئی معمولی اور بظاہر غیر اہم وجود کسی بہت بڑے اور غیر معمولی کارنامے کا سبب بن جاتا ہے۔ خلوصِ نیت موجود ہے تو پھر معمولی سے معمولی نیکی بھی غیر معمولی ہے۔ ہر انسان کو چراغ بننا چاہیے جو خود جلتا ہے مگر روشنی پھیلاتا ہے۔ اندھیروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ مجید امجد کے خیال میں بڑا آدمی وہی ہے جو انسانیت کی خدمت کرتا ہے۔ وہ صاحبانِ اقتدار اور بارسوخ لوگ بونے ہیں جن کی ذات کبھی کسی انسان کے لیے کسی خوشی' کسی راحت اور کسی منفعت کا باعث نہیں بنتی۔ مجید امجد ان لوگوں کی زندگیوں پر افسوس کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گردن فرازانِ جہاں مسافروں کی مددگار شاخ سے بھی کمتر ہیں۔ یہ نام نہاد معززین ہرگز قابلِ عزت نہیں۔ یہ آدم زاد ضرور ہیں لیکن انھیں انسان نہیں کہا جا سکتا۔ یہ انسانی جذبات سے عاری ہیں' جو دوسرے کا درد محسوس نہیں کرتا اور مشکل میں اس کی مدد نہیں کرتا وہ اشرف المخلوقات کے منصب پر کیسے فائز ہو سکتا ہے۔ اس سے تو ایک ٹہنی کا منصب کہیں بلند ہے۔ مختصر نظم میں مجید امجد نے